رقعاتِ سرمد کا ایک کم یاب مخطوطہ:
فارسی، اردو اور انگریزی تراجم

محمد سہیل عمر* / خالد ندیم*

پیش رس—مترجمین

رقعاتِ سرمد کی یہ اشاعت اور اس کے تراجم قطعاً اتفاقی نہیں بلکہ حادثاتی ہیں۔ ایک دوست کی مدد کرنے میں اس کٹھنائی سے بھی گذرنا پڑ گیا ورنہ پینتالیس برس تصوف کی چھاؤں میں گذارنے اور فکریاتِ تصوف سے بساط بھر استفادہ کرنے کے باوجود ہمیں کبھی ہندوستانی تصوف کے اس فکری دھارے سے طبعی مناسبت اور دل چسپی محسوس نہیں ہوئی جسے علامہ اقبال "تصوفِ وجودی" کا نام دیا کرتے تھے۔[1] انھی میں ایک نام محمد سرمد سعید [المعروف بہ سرمد شہید] بھی ہے۔ ہندوستان کی فکری تاریخ میں محمد سرمد سعید کی حیثیت ایک نیم افسانوی کردار ایسی ہے۔ عالمِ بے بدل اور عارفِ باکمال وصوفیِ باصفا سے لے کر کافر وزندیق تک ہر خطاب ان کے حصے میں آیا۔ ان کی رباعیات تو معروف ہیں لیکن ان کی سوانح ہمیشہ کچھ گنجلک اور بھید بھری داستانوں کے نرغے میں رہی ہے۔ یہ قضیہ سرمد کے ہم عصر مورخین اور تذکرہ نگاروں سے ہی شروع ہو جاتا ہے اور ۲۰ ویں صدی میں مولانا ابوالکلام آزاد تک پھیلتا نظر آتا ہے۔[2] مولانا اپنے جنّاتی اسلوبِ نگارش کی پاس داری میں متعلقہ اشعار ٹانکنے کے لیے آس پاس کی بے محل نثر تو بے محابا لکھتے چلے گئے[3] لیکن نفسِ مسئلہ حل کرنے میں ہماری قطعاً کوئی رہنمائی نہیں کی۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور ان سے پہلے اور بعد کے سب مصنفین نے سرمد کے حالات کے لیے شیر خان لودھی کی مراۃ الخیال کو [شاید قریب العہد ہونے کی وجہ سے] سب سے زیادہ مستند مانا ہے بلکہ مولانا تو اپنی نثرِ مبالغہ میں یہاں تک کہہ گذرے کہ "۔۔سے زیادہ معتبر راوی سرمد کے لیے نہیں ہو سکتے"[4] حالاں کہ مراۃ الخیال سرمد کی شہادت کے ۳۲ سال بعد ۱۱۰۲ھ میں مرتب ہوئی۔[5] ان میں سے کسی نے بھی دبستانِ مذاہب[6] کو لائقِ اعتنا نہیں جانا جب کہ سرمد سے دبستانِ مذاہب کے مصنف، ذوالفقار اردستانی، کی ملاقات ۱۰۵۷ھ میں [یعنی سرمد کی

---

* محقق و مصنف، مقیم لاہور
* صدر شعبہ اردو اور مشرقی زبانیں، سرگودھا یونی ورسٹی، سرگودھا

شہادت {۱۰۷۰ھ} سے ۱۳ سال پہلے] حیدر آباد میں ہوئی تھی اور دونوں میں تبادلۂ خیال اور علمی تعاون ایسا تھا کہ ذوالفقار اردستانی کی فرمائش پر سرمد نے اس کے لیے توریت کے کچھ حصّے، بالخصوص کتابِ آفرینش Genesis، ابھے چند سے ترجمہ کروائے اور ذوالفقار کے ساتھ بیٹھ کر نظرِ ثانی کی۔ ذوالفقار اردستانی نے اسے "صحیفۂ آدم" کا عنوان دیا ہے اور ان کی نظر میں اسے "سرِّ صحیفۂ توریت" Heart of the Torah کی حیثیت حاصل ہے۔ یہی متن [دیکھیے، ضمیمۂ اوّل] دبستانِ مذاہب کے مصنف نے شاملِ کتاب کیا اور اس علمی کدّ و کاوش کی غرض بھی وہیں بیان کر دی۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ دینِ موسوی میں تصوّرِ خدا اور تصوّرِ انسان نیز تخلیق اور معاد سے متعلق یہودی عقائد کے بارے میں معلومات حاصل کر سکیں۔ ان کے اپنے الفاظ میں:

> نامہ نگار [وہ اپنی جانب 'نامہ نگار' کے الفاظ سے اشارہ کرتے ہیں، یعنی آج کی زبان میں 'راقم الحروف'] کو دانش مندانِ یہود کی صحبت میں بیٹھنے اور ان کے احوال و نظریات سے آگہی حاصل کرنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور ان کے عقائد کے بارے میں جو کچھ اغیار کی کتابوں میں درج تھا ان سے اسے التفات نہ تھا کہ وہ سب مبنی بر مخاصمت تھا۔۔۔۔۔۔۔۔ ابھے چند نے توریت کے کچھ حصّے میرے لیے فارسی میں ترجمہ کیے جو 'نامہ نگار' نے سرمد کو دکھا کر، آیاتِ توریت میں ان کی نشان دہی کے مطابق تصحیحات کرنے کے بعد 'داخلِ نامہ' [یعنی شاملِ کتاب] کر دیے، اور وہ یہ ہے: نظرِ دوّم، در صحیفۂ آدم۔

یہی وہ نکتہ تھا جس نے ہمارے یہودی دوست اور ہم کار، ربّی ڈاکٹر ایلون گوشین کو متوجہ کیا۔ ربّی ڈاکٹر ایلون گوشین ایلیاہ بین المذاہب انسٹیٹیوٹ Elijah Interfaith Institute کے سربراہ اور بہت پڑھے لکھے شخص ہیں۔ سرمد شہید کے بارے میں عام طور پر بتایا گیا ہے کہ وہ یہودی نژاد تھے اور اپنے آبائی مذہب میں ایک روحانی مقام اور بلند دست گاہِ علمی کے حامل تھے۔ دبستانِ مذاہب کے مصنف نے ان کا تذکرہ جس طرح رقم کیا ہے اس سے بعض لوگوں کو یہ گمان بھی گذرا کہ سرمد سعید ہندوستان کی ان شخصیات میں سے تھے جو بیک وقت ایک سے زاید مذاہب کی پیروی کر رہے تھے۔ اسلام اور ہندومت سے سرمد کا تعلق تو واضح ہے لیکن دبستانِ مذاہب کا اندراج پڑھ کر بعض قارئین کو مزید یہ تاثر ملا کہ شاید اسلام کے پیروکار ہونے کے ساتھ ساتھ سرمد اپنے آبائی مذہب یہودیت سے بھی منسلک رہتے تھے۔ بین المذاہب ہم آہنگی پر کام کرتے ہوئے ایک تحقیق کے دوران کسی نے ربّی ایلون کو بھی سرمد کی جانب متوجہ کیا اور دبستانِ مذاہب کے اندراج کا انگریزی ترجمہ ان کو فراہم کیا۔[۸] موصوف کو مختلف اسباب کی بنا پر اس موضوع سے دل چسپی تو تھی ہی، سرمد اور یہودیت سے ان کے زندہ تعلق کے

مزعومہ حوالے نے مہمیز کا کام کیا اور سرمد کے بارے میں مزید کھوج کرید رِبّی ایلون کو رقعاتِ سرمد تک لے آئی۔ رقعاتِ سرمد [فارسی] کی مئی ۱۹۲۶ء کی صرف ایک اشاعت کا ذکر ملتا ہے،[۹] اصل کتاب نہایت کم یاب ہے۔ رِبّی ایلون فارسی نہیں پڑھ سکتے لہٰذا ہم سے مدد کے خواست گار ہوئے لیکن مئی ۱۹۲۶ء کی فارسی اشاعت نہ رِبّی ایلون کے پاس تھی نہ پاکستان میں کسی کتب خانے میں دستیاب ہو سکی؛ واحد حوالہ خلیق احمد نظامی صاحب کا تھا۔[۱۰] رِبّی ایلون نے دیوناگری نقل البتہ فراہم کر دی تھی[۱۱] جو بغرضِ حوالہ شاملِ اشاعت کی جا رہی ہے۔ [دیکھیے، ضمیمۂ دوم]۔ دیوناگری متن سے الٹی زقند لگا کر دوبارہ فارسی متن کی تشکیل اور اس کے اردو اور انگریزی ترجمے کا کام جاری تھا کہ ایک نوجوان محقق طارق اشفاق صاحب کی کاوشوں سے علی گڑھ یونی ورسٹی کے کتب خانے میں موجود رقعاتِ سرمد[۱۲] کا مخطوطہ دستیاب ہو گیا۔ صفحاتِ مابعد میں اسی مخطوطے کا عکس [دیکھیے، ضمیمۂ سوم] دیوناگری اور فارسی متن اور اردو نیز انگریزی ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ ان رقعات کا جزواً یا کلاً انتساب سرمد سے کیا جا سکتا ہے یا نہیں اور رِبّی ایلون کے پیشِ نظر Multiple Religious Identities کا جو مسئلہ تھا اس کے ضمن میں ان سے کچھ رہنما اشارے اخذ کیے جا سکتے ہیں یا نہیں، اس پر کچھ عرض کرنا سرِ دست ہمارے لیے ممکن نہیں۔ اپنے طور پر ہم نے جو رائے قائم کی ہے اس کا سطورِ ذیل میں اظہار کیا جا رہا ہے۔

رِبّی ایلون نے سرمد اور یہودیت سے ان کے تعلق کے مبحث سے اپنے تعارف اور شغف کا تذکرہ یوں کیا ہے:

> I discovered a text that has been known by many, but I believe has never before been read in detail and for the information it can reveal to us. This is the Chapter in the *Dabistan*, a 17th century work of comparative religion, written in Persian. Each of its chapters is devoted to another religion. The chapter on Judaism relies in Sarmad as informant and in the process provides us with information on his life. In fact, it is the earliest, and therefore the most authoritative reference to Sarmad, by a contemporary. Reading this text opened up a new perspective on Sarmad. My close reading opened up the question of Sarmad's religious identity and if and in what way he maintained a conscious Jewish identity. If so, I had discovered a Jewish Sarmad, or Sarmad the Jew. As it turns out, Jewish scholars had discussed Sarmad's Jewishness based on some of the text under discussion. I believe, however, that the present study brings this question to a new level of complexity and sophistication, and allows us to revisit the question of Sarmad's religious identity.[۱۳]

ایک سے زاید مذاہب سے بیک وقت تعلق رکھنے کے جواز یا مثال کے طور پر دبستانِ مذاہب کے اندراج کو بطور شہادت پیش کرنا کئی لحاظ سے محلِّ نظر ہے۔ رقعاتِ سرمد کی تدوین اور اردو انگریزی ترجمے کے بعد ہم نے اس نظر سے دبستانِ مذاہب کے اصل فارسی متن کا از سرِ نو جائزہ لیا۔ جو ترجمہ ربّی ایلون کے زیرِ استعمال تھا[۱۴] اس کو بھی فارسی متن سے ملا کر دیکھا گیا۔ ایک طرف اگر انگریزی ترجمے میں فاش اغلاط تھیں تو دوسری جانب اسلام کی مذہبی / علمی روایت کے گہرے اور مفصل علم کی کمی معاملے کو اس کی درست صورت میں دیکھنے اور سمجھنے میں حارج تھی۔ دونوں اسباب نے مل کر اس غلط فہمی کو جنم دیا جو سطورِ ما قبل میں سرمد کو حوالہ بنا کر ایک سے زاید مذاہب سے بیک وقت تعلق رکھنے کے مسئلے پر ربّی ایلون کے اقتباس میں نظر آتی ہے۔ معاملے پر ہماری رائے درجِ ذیل ہے:

> Lastly, but most importantly, the question of keep engaging with the Scripture of one's previous faith tradition (reading, teaching, translating etc.) as a conclusive proof of being a "practitioner of multiple religious identities." I have a completely different take on it and my opinion does not stem from my personal predilection. In fact it is grounded in a long standing illustrious tradition of Islamic scholarship that dates back to the Prophetic times when the Prophet would encourage the learned (in language and Scripture) among his Companions who had come from the Jewish background to read and teach, along with the Qur'an, the Tanakh in Hebrew. The most outstanding example is of his Companion 'Abd Allah ibn Salām, the Jewish Rabbi, who later accompanied Caliph 'Umar on the occasion of the surrender of Jerusalem and helped him in demarcating the exact place of the Temple/Holiest of the Holy which had been turned into a garbage dump by the Christians. 'Abd Allah ibn Salām is known to have the practice of reading the Torah every day and had brought his recitation in line with the customary Muslim practice of reading one juz of the Qur'an every day thus completing the cycle in 30 days. Further to it, the Prophet assigned the task of learning Aramaic and Syriac (the original languages of the Christian Bible) to some of the younger companions who were gifted for languages.
>
> Two more points need to be added here before arriving at what I have to say. Firstly, this practice has its Scriptural

proof and validity in the verses that declare, "We have revealed the Torah wherein there is guidance and light" and "We have revealed the Injīl wherein there is guidance and light."[۱۵] Secondly, Islamic scholarship, especially the Tafsir tradition (Qur'anic exegesis) considers the Hebrew Scriptures as the second best source of Qur'an interpretation (first being the Qur'an itself) and the third source is the Hadith corpus. Hence its practical need that stems from the fact that the Qur'an contains a lot of references to Biblical history which cannot be understood completely without having recourse to the Jewish and Christian Scriptures. Therefore, the Islamic scholars were always eager to avail of the opportunity of learning firsthand about these Scriptures and from these Scriptures. The most recent example (of early 20th century) is of Ḥamīd al-Dīn Farrāhī, the great Qur'an exegete and the founder of the 20th century school of Qur'an interpretation based on "internal coherence", who had avidly learnt Hebrew from a Jewish scholar named Gabriel, living in Aligarh at that time. The upshot is this: When the author of the Dabistan made his request and when Sarmad responded to it or when Sarmad imparted teachings of the Torah (along with other Scriptures) to Abhay Chand they were both acting according to an established practice of Islamic scholarship. Reading more into it and seeing a "practitioner of multiple religious identities" at work would be, according to my lights, a misplaced judgment! The author of the Dabistan is explicit about it when he says, "this writer never had the chance of meeting the wise among the Jews and gaining information about (their religion) and whatever was found in the books written by the "others" with regard to their beliefs did not attract him since ….".

ایک سے زاید مذاہب پر بیک وقت عمل کے قضیے کو بر طرف کرنے کے علاوہ ہم چند اور باتیں بھی قارئین کے گوش گذار کرنا چاہتے ہیں۔

رباعیاتِ سرمد غیر ضروری حد تک مشہور ہیں،[۱۶] رقعاتِ سرمد ضرورت سے کم معروف اور نایاب ہیں! ان رقعات میں علمی، عرفانی اعتبار سے اور تصوف کی فکریات کے حوالے سے کوئی خاص بات ہے بھی نہیں؛ بس اس زمانے کے ذوقِ سجع بندی اور مقفّٰی نثر کا عامیانہ سا نمونہ ہے جو سخن سازی کا شوقین اور اس نوع کی منشیانہ نثر پر

دسترس رکھنے والا کوئی بھی وقائع نویس، انشا پرداز بہ آسانی معرضِ تحریر میں لا سکتا ہے! رقعات میں فکری گہرائی بھی مفقود ہے اور مفاہیم تو معاصر ہندوستان کے "دوں نظر و کم سواد" متصوفین [ہندو٭/مسلمان دونوں] کے ہاں چلتے ہوئے نمائشی خیالات و تصورات کے عکسِ دل ناپذیر سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔ رقعات کے ساتھ اتنا وقت صرف کرنے کے بعد میر صاحب کا درجِ ذیل شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے:

ہوا ہے عارفانِ شہر کو عرفان بھی اوندھا　　　　که ہر درویش[18] ہے مارا ہوا عشقِ الٰہی کا

سرمد جیسی نابغۂ روزگار شخصیت سے ان رقعات کی کوئی چیز لگّا نہیں کھاتی۔ کہاں وہ سرمد کا عارفانہ مزاج، ذہن کی برّاقی، بےپناہ علم اور ذوقِ تاَلّہ اور کہاں یہ پست درجے کی بناوٹی انشاپردازی![19]

ربّی ایلون کے پیشِ نظر Multiple Religious Identities کا مسئلہ تھا۔ ایک سے زاید مذاہب سے بیک وقت تعلق رکھنے کے مسئلے پر رقعاتِ سرمد سے انھیں مزید اشارات میسر آ سکے یا نہیں؛ اس پر کچھ عرض کرنا سرِدست ہمارے لیے ممکن نہیں۔ ہماری آرا کا اظہار سطورِ ما قبل میں کیا جا چکا ہے۔ ترجمے میں ربّی ایلون کی مدد کرتے ہوئے ۹۵ برس بعد سرمد سے متعلق ایک دستاویز بہر حال دوبارہ منظرِ عام پر آ گئی۔ یہی اس محنت کا حاصل ہے۔ ممکن ہے اس میدان کے محققین اور ہندوستان کی فکری تاریخ سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے یہ کسی اعتبار سے مفید ہو سکے۔ فارسی اور اردو متن حواشی اور توضیحات سے معرّیٰ ہیں؛ تفصیلی حوالوں، صوفیانہ اصطلاحات کی شرح، لغوی اور تاریخی نکات کی تخریج اور وضاحتی اندراجات کے لیے قارئین کو انگریزی ترجمے سے رجوع کی زحمت کرنا ہو گی۔

محمد سہیل عمر / ڈاکٹر خالد ندیم

لاہور، فروری، ۲۰۱۹

* * *

رقعاتِ سرمد [فارسی]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرم محمد رحیم را آنکہ رحیم و کریم، قہار و جبار، ستار و غفار صفات است، اللہ واحد اسمِ ذات است۔ اے عزیز! صفاتِ خدا از ذات است ویں مقام چہ جاے تعجبات است؛ عاشق را ہر روز روزِ عید و ہر شب شبِ برات است؛ از کسیکہ دایم در ملاقات است؛ نہ در بندِ حیات است و نہ در قیدِ ممات است۔ قالوا انّا للہ و انّا الیہ راجعون

اشارات است؛ والسلام علینا وعلیٰ عباد الصالحین در التحیات است؛ تا خاص وعام دانند کہ دوست را با دوست التفات است؛ فہم من فہم؛ عقل و نفس رام شُد، مقصود تمام شُد۔

مردِ مُصلّی نماز گذار را آنکہ اے عُربدہ باز ایں عُربدہ بازی! بر نماز و مصلّیٰ چہ بازی؟ بہ فقیران مُکن دم بازی؛ بازی بازی بر ریش بابا بازی یا کہ با بروتِ قلندران بازی؛ اے مردِ مُلّا، واے مردِ قاضی! فقیر از صحبتِ ناجنس کے است راضی؛ قلندر را در سر است بے نیازی؛ از بسکہ شاہد بازی؛ نہ طالبِ زر نہ بارِ انسان بر خر؛ نہ شوقِ ترکی و تازی نہ میل بازی؛ نہ مائلِ حال نہ طالبِ استقبال نہ ذکرِ ماضی؛ رفیع قلندر را ایں طریق است، اے مردِ نمازی! فہم من فہم۔

اے خود نما! تا چند خود نمائی؛ واے باد پیما تا کے باد پیمائی؛ واے غیر آشنا از کُدام آشنائی گفتگو داری با عاشقانِ شیدائی؛ اگر چیزے داری باید کہ بنمائی وِالّا خود را چہ می نمائی؛ تُو ہمچو مگس بر دُکانِ حلوائی؛ رفیع قلندر را چہ از کلچہ بہ نانِ خطائی؛ تُو از کجا و انسان از کجا اے عاشقِ ہر جائی! ہمہ چشم تا چہ می نمائی؛ ہمہ گوشم تا چہ می فرمائی؛ می بیند آنچہ می نماید، ایں است بینائی و می شنود آنچہ می فرماید، ایں است شنوائی؛ اگر مردی، باید کہ مردمیت را بیازمائی ورنہ در جرگۂ مردان رُسوا شوی اے مردِ روستائی! فہم من فہم۔

برادرم شاہ نعمت اللہ را آنکہ دریاے توحید چنان عمیق است کہ کونین درُو غریق است؛ شناورانِ دریا را کدام رفیق است؛ آنکس مُوحّدِ تحقیق است۔ پس اے عزیز! مُوحّدِ آں است کہ نہ شاہد را داند نہ مشہود را؛ نہ مقصد را داند نہ مقصود را؛ نہ راکع را داند نہ مرکوع را؛ نہ ساجد را داند نہ مسجود را؛ نہ خود را داند نہ موجود را؛ نہ عبد را داند نہ معبود را؛ خود شاہد است و خود مشہود؛ خود مقصد است و خود مقصود؛ خود عابد خود معبود؛ خود راکع است و خود مرکوع؛ خود ساجد است و خود مسجود؛ خود خود است و خود موجود؛ خود عدد است و خود معدود؛ رفیع قلندر را ایں طریق است؛ در سخن تفریق است؛ اگر دریافتی ہمچو شقیق است وِالّا ہنوز نا تحقیق است۔ فہم من فہم۔

برادرم عبد النبی را آنکہ گفت و شنید کارِ انسان است؛ از انسانیت گذشتہ باشد آنکس محرم من عرف اللہ کل لسانہ است؛ مردِ اہل را ایں نشان است نہ آثارِ صورت بے نشان است؛ خوشتریں ہمچو لعل در کان است؛ نہ براے نفسِ حریص سر گردانست؛ نہ مائلِ ہریسہ و روغنی نان است؛ نہ طالبِ قلیہ وزیر بریان است؛ نہ شوق بر کبابِ مرغ و گوشتِ حلوان است؛ نہ ہمچو مگس بر گردِ خوان است؛ چیزے کہ بیخواست رسد خواہشِ آں است؛ رفیع قلندر را ایں گزران ہمچو مردان است۔ فہم من فہم۔

بندگی شاہ باقی را آنکہ فقیر آنکس کہ خود را از خود گذاشتہ باشد؛ یا جبّہ و دستار برداشتہ باشد یا گندم وجَو کاشتہ باشد یا مسجد وچاہ ساختہ باشد؛ اے برادر فقیر آنست کہ در قُمار خانۂ عشق نقدِ جان درباختہ باشد نہ کہ بر درِ سلطان و وزیر خود را انداختہ باشد۔ چنانچہ می فرماید زبادشاہ وگدا فارغم بحمد للہ۔ گدائے خاکِ درِ دوست بادشاہِ من است۔

برادرم شیخ نظر باز را آنکہ دل مدہ باکس کہ نیست دریں عالم کس؛ اے مردِ بے کس؛ اللہ بس؛ یا رسول اللہ ہوس؛ ہمتِ عاشق است وبس؛ تاچند نگری پیش وپس؛ تاکہ نفس زنی چوں جرس؛ بیارام اے مرغ دریں قفس؛ شہپر مزن عبث؛ چنانچہ می فرماید۔

تسلیم شَو اے مرغِ گرفتار بمردن   کزدامِ محبت بیرون شُدنت نیست

ہرچند گُل راصحبت اُفتاد بہ خار وخس امّا منصبِ پروانہ نمی دہند بہ مگس۔

اے صاحبِ حسن در وفا کیش   کیں حسن وفا نہ کند با کس
آخر بہ زکوٰۃِ تندرستی   فریادِ دل شکستگاں رس

بہ عبد الرزاق، اے رازقِ مطلق و اے روزی رسانندۂ دانا و احمق؛ رفیع قلندر را تاچند گردانی از مغرب تا مشرق؛ مسافتِ دنیا تالبِ گور یکدم است، الحق؛ آنچہ نصیب است بہم می رسد، معلق؛ پس چرا در تاخت باخت آری، گاہ بر سمند و گاہی بہ ابلق؛ اما دم نہ باید زد، مطلق؛ چنانچہ خبر می دید لا یسئل عما یفعل، حق؛ پس تاکہ در مدرسہ وخانقاہ خوانی سبق؟ اگر مردی، باش طالبِ حق؛ مرو جابجا ناحق۔ فہم من فہم۔

برادرم عبد النبی را آنکہ اے برادر فقیر لایحتاج است؛ صاحبِ تخت و تاج است؛ ہر روزہ ہزار عالم اُو را خراج است؛ نہ قلندر باکس و کُو محتاج است و نہ ہمچو مریض در پےِ علاج است۔ آں برادر را مفہوم باشد از بسکہ دردِ او بے علاج۔ چنانچہ حافظ [شیرازی] می فرماید:

می گفت طبیب از سرِ حسرت چو مرا دید   ہیہات کہ رنجِ تُو ز قانونِ شِفا رفت

فہم من فہم۔

بندگی سید نظام الدین را آنکہ دنیا ہرچند شہر رنگین ست امّا در شہر آشیاں نمی گیرد آنکس کہ شہباز و شاہین است؛ سیر آن بیرون از آسمان و زمین است؛ بامنصورِ حلاج بر سرِ دار والا نشین است؛ رفیع قلندر فارغ از دنیا و دِین است؛ از الاّ اللہ ہمین است؛ محمد رسولُ اللہ ایمان ویقین است و ابتدا از چناں و چنیں است؛ انا لیلی و لیلی از سخن مبتدی است و انا الحق حالِ منتہی است؛ ابتدا و انتہا ایں است؛ کار نہ بیش ازیں است۔ فہم من فہم۔

طالبِ خدا را آنکہ در طلب و ارادت وجودت حجاب است۔ در ہمہ حال با مہجوری در عینِ وصال، از خود بیرون آئی فی الحال؛ تا بے نقاب بینی رُوے آں صاحبِ جمال وخود را بہ خود بینی لامثال؛ چنانچہ می فرماید:

در ہرچہ نظر کُنم بہ تحقیق — با غیر سُوے کُجا نشینم
چُوں گشت یقین کہ نیُست جُز من — بے خود شوم و بہ خود نشینم

فہم من فہم۔

یارِ عزیز را آنکہ قلندر بادشاہ است؛ باتخت و تاج و کُلاہ است و با حشمت و جاہ است و بالشکر و سپاہ است؛ تختِ خسرو و کُلاہِ قباد در چشمِ اُو کاہ است؛ ہر سحر اُو بانالہ و آہ است؛ نہ ہر کس را با اُو راہ است؛ بندۂ درگاہ است و غُلامِ دَولت خواہ است؛ محمدٌ رسول اللہ تکیہ و پناہ است؛ در راہِ وفا خاک و سیاہ است؛ دایم در ذکرِ قل ھو اللہ است؛ در سرِ لا الٰہ اِلا اللہ، مقصود محمدٌ رسولُ اللہ است؛ محرمِ نسیم اللہ است؛ در دعویٔ محبت با گواہ است؛ دیدہ و دانستہ بے گناہ است؛ انا واجب القتل خواہ مخواہ است؛ دلِ عاشق خرگاہ است؛ بادشاہ را در اُو خواب گاہ است؛ نہ ہر خاص و عام را منزل گاہ است۔ فہم من فہم۔

برادرم عبد النبی را آنکہ قلندر الفِ اللہ است؛ نہ در قیدِ ماسوی اللہ است؛ مقصود از اِلا اللہ است و پشت و پناہ محمد رسول اللہ ﷺ است: کُو زندہ بوصلِ جان و جانی۔

برادرم غلام محی الدین را آنکہ مردمِ قلندر با خدا یارِ غار است؛ با مردمِ دنیا اُو را چہ کار است؛ دع الخلق حاشا اظہار است؛ ظاہر و باطن محرمِ اسرار است؛ بر امر و نہی استوار است؛ ازاں سبب لایقِ دیدار است؛ خداپرستی بسے دشوار است؛ از خود گذشتن نہ آساں کار است؛ ایں سخن شربت بہ ہر بیمار است؛ اگر دریافتی منفعت بسیار است؛ از قولِ مشایخ استغفار است؛ از فعلِ زاہد بیزار است؛ بہ ایں بزرگی بہ قیدِ ریش و دستار است۔ فہم من فہم۔

برادرم فرخ بیگ را آنکہ بستر دل محصول است؛ آں کس را کہ درذکرِ لا الٰہ اِلّا اللہ مشغول است محمد ﷺ رسولُ اللہ موصول است؛ ایں حکایت نہ منطق نہ اصول است؛ علم عالم در ایں مجہول است؛ لایقِ ایں مرتبہ ردّ و قبول است؛ ایں دَولت نہ در ہر مقبول است تانہ دانی کہ ایں سخن از مردمِ فضول است۔ فہم من فہم۔

برادرم غلام محی الدین را آنکہ عاشق مبتلاے یار است؛ از روزِ ازل سایلِ دیدار است؛ با سُود و زیاں اُو را چہ کار است؛ حدیثِ عشق در گفتار است؛ دردِ عاشق نہ در اظہار است؛ علاجِ بسے دشوار است؛ خال و خط و کاکُل بسیار است؛ چشم و ابرو در ایں بازار است؛ لب و دندان انبار است؛ ذقن و جبین و قد و کمر در کار است؛ پس دریابد ہر کہ ہشیار است؛ ایں تفرید راجمع کردن و بستن کارِ صاحبِ اظہار است۔ فہم من فہم۔

برادرم شکر اللہ بہاری را آنکہ جان و جاناں جدا نیست؛ بندہ خود خدا نیست؛ خود را دیدن روا نیست؛ احمد را دیدن خطا نیست؛ چشمِ احول لائقِ دوا نیست؛ ظاہر و باطن جُز مصطفیٰ نیست؛ کور را منفعتِ توتیا نیست؛ چنانچہ می فرماید: انا احمد بلا میم؛ امّا ایں صدا در گوشِ ہر بے سروپا نیست۔ فہم من فہم۔

برادرم محمد تقی را آنکہ خوردن و نوشیدن بسیار است؛ اما حیوان کہ قُوتِ اُو ہر خس و خار است، نہ اِنسان را کہ مشتاقِ لقاے یار است؛ پلاو شش رنگ تیار است؛ مزعفر و قلیہ و نان با مصالح و اچار است؛ نان چپاتی و کبابِ مرغ و گوشتِ حلوان است؛ امّا نفسِ عاشق را میل بریں عار است۔ فہم من فہم۔

برادرم عبد النبی را آنکہ از کاروبارِ دنیا بیزار باش؛ تارکِ ایں مردار باش؛ با مدعی خبردار باش؛ دایم در استغفار باش؛ تالبِ گور ہشیار باش؛ مایلِ دیدار باش؛ در ملکِ وجود کم آزار باش؛ مر دریں شہر بیدار باش؛ اگر مردی، بُردبار باش؛ مردمِ خدا یار باش؛ ہمچو رفیع قلندر با دلدار باش؛ در دعویٰ محبت استوار باش۔ فہم من فہم۔

برادرم شیخ جمال را آنکہ خود جمیل و خود جمال است؛ جمالِ جاناں دیدن عین وصال است؛ درست و زیبا دیدن عین زوال است؛ در کسوتِ خوبی بے مثال است؛ در بیابانِ محبت بے پر و بال است؛ اللہ جمیلٌ ویحب الجمال است؛ خود را خود بیند آنچہ خیال است؛ واقف ایں سرِّ حضرت سلمان و بلال است؛ رُوے جاناں بے خط و خال است؛ دریں مقام چہ جاے قیل و قال است؛ منصبِ ایشاں ہر حال است۔ فہم من فہم۔

برادرم شاہ نعمت اللہ را آنکہ نامحرم را دریں کوچہ راہ نیست؛ ہر کس لایقِ خدمتِ بادشاہ نیست؛ باذکرِ مدام، فکرِ تمام، پس دعویٰ عشق آں گواہ نیست؛ جُز عاشق دیگر رُوسیاہ نیست؛ طالبِ دنیا را حرمت در ایں درگاہ نیست؛ بر تجمّلِ دنیا عاشق را نگاہ نیست؛ دنیا در چشمِ عاشق کم از کاہ نیست؛ عاشق مایلِ گنج و گاہ نیست؛ دل فارغ از نالہ و آہ نیست؛ رفیع قلندر را حاجتِ مسجد و چاہ نیست؛ از عیشِ بہشت و عذابِ دوزخ پروای نیست۔ فہم من فہم۔

برادرم شیخ غلام محی الدین را آنکہ طالبِ مولیٰ بے نیاز است؛ از آں سبب کہ خدا کارساز است؛ نہ پابر نشیب و فراز است؛ عاشق خود سرفراز است؛ ایں حکایت از دُور و دراز است؛ تا نپنداری کہ ایں سخن از مجاز است؛ عاشق شہبازِ بلند پرواز است؛ در خلوتِ معشوق محرمِ راز است؛ از بسکہ ہمیشہ باسوز و ساز است؛ از سر تا جان گداز است؛ تا ندانی کہ عاشق بے نماز است۔ فہم من فہم۔

برادرم غلام محی الدین را آنکہ عاشق صاحبِ قرار است؛ دایم مستغرق در نظارۂ دلدار است؛ فارغ از جبّہ و دستار است؛ با روزہ و نماز چہ کار است؛ از نشیمنِ بہشت و سایۂ طوبیٰ عار است؛ تا نہ پنداری کہ دیوانہ است بکارِ خود ہشیار است۔ فہم من فہم۔

***

RUQʿĀT OF SARMAD

In the Name of God, the All Merciful, the Ever Merciful

To my brother ʻAbd al-Raḥīm: Know that *Raḥīm* (the Bestower of Mercy)[۲۰] and *Karīm* (the All-Bountiful, the Magnanimous),[۲۱] *Qahhār* (the All-Compelling, the Irresistible) and *Jabbār* (the All-Overpowering), *Ghaffār* (the Ever-Forgiving)[۲۲] and *Sattār* (the Ever Concealing)[۲۳] are the Divine Names of Attributes and it is the Name *Allāh* which is the Name of the Essence. My Dear friend, the Attributes of God are from the Essence, and there is nothing to be surprised about at this point; for the lover every day is the Day of Eid[۲۴] and every night is the night of *Qadr* (measuring out);[۲۵] for the one who is unceasingly, eternally in assembling;[۲۶] neither delimited by the confines of Life nor imprisoned by Death. It is said "*verily we are for God and verily unto Him we return*" is from the category of allusions;[۲۷] "*Peace be upon us and upon the pious vassals of God*" is in the *al-Taḥiyyāt* (Greetings)[۲۸] so that the elect and the lay people both become aware of the fact that the Friend is in communion and love with the friend. Understood who understood; intellect and soul became tamed and cultivated. Here ends our objective.

To the (pseudo) man of the prayer-carpet, the one performing the ritual prayer: O troublemaker, such an uproar! What of this game of bragging and taking pride in *namāz* (canonical prayer) and the prayer-carpet? Don't play games with the fakirs;[۲۹] thou plays and plays, even with the beard of the grandfather![۳۰] (Remember), this is not the hair-growth of the Qalandars that you are playing! O Mullah, O Judge! the fakir could never be happy in the company of those who are not of his element! The head on the shoulders of the exalted Qalandar is full of independence and freedom; not to speak of a playful attraction for fair faces; he does not want money, he is not a human burden on a donkey;[۳۱] no liking for the Turkish steeds nor any wish for the Arabic stallions, nor a desire for the play; no inclination for the present, no demand for the future, no mention of the past. Such is the path of the exalted Qalandar, O man of prayer. Understood who understood.

O thou indulging in show-off, how long would you keep indulging in it! O thou who is measuring the wind,[۳۲] how long would you keep measuring the wind! O thou who is bereft of familiarity/ acquaintance (with the beloved), whence thou speak of acquaintance in the company of the enraptured lovers; if you have something then demonstrate your mettle, otherwise what do you have to show off; you are nothing more

than a fly in the sweetmeat shop. What difference is there for the exalted Qalandar between a cake of bread and the sweetmeat of *nān i khaṭā'ī*.[33]

O unfaithful lover, look at what you are and what a human should be! I am all eyes looking forward to see what you have to present and I am all ears to listen to what you have to say. Showing only what one is granted a vision thereof, this is real witnessing. Speaking of only what one has listened to, this is real listening. If thou art a (real) "man" then test your mettle otherwise you would be disgraced[34] in the company of the chivalrous, O rustic. Understood who understood.

<u>To my brother Shāh Niʿmatullāh:</u> The ocean of Unicity/Oneness (*tawḥīd*, literally: making One, declaring One) is such an unfathomable deep that the two worlds are plunged and immersed in it. Who could be a companion or associate of the swimmers in this ocean? Only someone who has himself achieved realization of Unicity/Oneness. Therefore, O my dear friend, the realizer of Unicity/Oneness is a person who neither knows the one who is witnessing nor the witnessed; neither knows the purpose (*Maqṣad*)[35] nor the goal of ones aspirations (*maqṣūd*); neither knows the one who is bowing nor the one to whom the obeisance (*rukūʿ*) is being made; neither knows the one who prostrates nor the one to whom the prostration is being made; neither knows himself nor the existents; neither knows the slave/vassal nor the worshiped; he is himself the witness and the witnessed; he is himself the quest and the goal of the quest; he is himself the worshiper and the worshiped; he is himself the bower and the one to whom the bowing is being made; he is himself prostrating and the one to whom the prostration is being made; he himself is himself and himself is the existent; he is himself the number and the numbered; this is the very Path of the exalted Qalandar.[36] Speech is differentiation and privation. If you recognize this, you are like a kinsperson otherwise you are still among those who are without realization. Understood who understood.

<u>To my brother ʿAbd al-Nabī:</u> Know that "talking" and "listening" is the vocation of the humans; the person who goes beyond the human condition is only the one who has become privy to *mā ʿarrafa Allāhū kalla lisānahū* (the tongue is tied for the one who has granted realized knowledge by God); it is the distinguishing feature of a person worthy of God; it is among the traces of the form of the One who is beyond form and transcends marks, symbols and traces; he is precious like a ruby in the mine. He is not wandering for the sake of the appetites of the lower self (*nafs*); nor for the craving for *harīsah*[37] and buttered bread; nor asking for meat cooked in gravy and *zīr biryān*;[38] nor fond of roasted birds or juicy meats; he is not like flies falling on the leftovers of the table; that which reaches uncalled for, without demand, he is aspiring for that; the exalted Qalandar passes his days in this manner, like the men of valour. Understood who understood.

To Bandagi Shāh Bāqī: Know that a Fakir is the one who has abandoned himself for himself, nor the one who adorns himself with a turban and a cloak,[39] nor the tiller of land who sows wheat and barley, nor the one who builds a mosque or digs a well;[40] O brother, a Fakir is the one who has put the wealth of his very life at stake in the casino of Love; he is not a person who throws himself at the door of the Sultan and the Vizier.[41] As it is said, "I have no need of the king or the mendicant, praise be to God." The one who is the dust of the door[42] of the Friend is my king.

To the light-hearted playful brother who does not watch his gaze. Don't give your heart to anyone (*kas*: an entity, a person) as there is nothing (*nīst kas*: no entity, nothing entified) in the world, O thou who is a person of no substance![43] *Allāh* suffices us, and we only aspire for the Messenger of God (*Rasūl Allāh*); it behoves the lover to exert his best and that is all which counts. How long would you look ahead and behind, here and there? How long would you breathe like the sound of the marching bell! O bird, be at rest in this cage, don't flap and flutter your wings uselessly, as has been said:

Surrender, O bird that has been doomed to death
As there is no way out of the net of love

Although the rose has fallen in the company of thorns and brambles the function of the moth is not assigned to the fly.

O thou possessor of beauty, be faithful
Since this beauty owes no fidelity to anyone
In the end, be charitable with the health of thy frame
And reach out for the laments of those with a broken heart

Understood who understood.

To ʿAbd al-Razzāq.[44] O Thou, Who is the Absolute Provider (*Rāziq i Muṭlaq*: The Ever-Providing) who sustains all creation and provides for the (sustenance) of all, from the wise to the fool. How far would you make the exalted Qalandar wander from the East to the West? The whole sweep of the world, to the end of the grave, is but a moment. That is reality. That which is your destiny would reach you, that remains suspended; so why all this running to and fro, why all this struggle and scramble, sometimes on a pie-bald stead and at times on a cream coloured horse. Thou should not say a word, absolutely; as has been seen in the Divine Word, "*He is not questioned about what He has done*"[45] is the truth so how long would thou squander yourself in taking lessons in the madrasah and the hospice.[46] If you have the spiritual chivalry[47] be an aspirant striving for the *Real*; don't wander here and there, unnecessarily. Understood who understood.

To my brother ʿAbd al-Nabī: O brother, Fakir is in need of nothing; he is the possessor of the throne and the crown; a thousand worlds are paying tribute to him every day; neither is the Qalandar in need of this or that person nor is he after a remedy/cure like a sick person. This brother should

become aware of this, although this is not a pain that can be relieved or an ailment that can be cured; Ḥāfiẓ of Shīrāz has said:

Looking at me the physician said in despair
Alas, your ailment is beyond the Canon[48] *of Cure*

Understood who understood.

To Bandagī Sayyid Niẓām al-Dīn: The world is a city full of colours, however, it never becomes the abode and nesting place of those who are the *shāhbāz* (the royal falcon) and *shāhīn* (the great eagle);[49] their flight is beyond heaven and earth; with Manṣūr i Ḥallāj they are placed high on the crucifix. The exalted Qalandar is free from the bondage of *dunyā* (the lower world) and *dīn* (religion);[50] this comes through "except God"[51] (*illā Allāh*) and "Muhammad is His Messenger"[52] is his faith and his certainty; while initially, at the setting out, it was "why" and "how", "this" and "that"; the expression "I am the Laylā and Laylā"[53] is the statement of the new initiate and "I am the Real"[54] is the state of the adept;[55] beginning and the ultimate end is this, nothing beyond! Understood who understood.

To the aspirant for God: In your aspiration for God and striving on the path of God, your very existence is a veil; in separation or in complete union, in every state, come out of yourself; so that you have the vision of the uncovered face of That possessor of beauty; and you may look at yourself through yourself, no exaggeration, as it is said:

Verily, to whatever I turn my gaze
Wherefrom my abode in the Other!
When arrived at the certainty that there is no one except me
I am beyond myself in ecstasy and dwell in myself.[56]

Understood who understood.

To my very dear friend: since the Qalandar is the king, he has the throne, the crown and the turban, has the grandeur and magnificence, the force and the army. To him the throne of Khusraw and the Sceptre of Qubād[57] count for no more than a dry leaf of grass. Every night for him has a dawn of lamentation and sighs. Everyone does not have means to reach him; he is the vassal of the high pedestal[58] and a slave of the Sovereign; "*Muhammadur rasūl Allāh*" (Muhammad is His Messenger) is his refuge and his reliance; he is all soot and dust in the path of fidelity; he is perpetually invoking "*qul huwa Allāh*"[59] (say, He is God); in his head is *lā ilāha illā Allāh* (there is no god but God) while the object of his aspiration is "*Muhammadur rasūl Allāh*" (Muhammad is His Messenger); he is a confidant of the *nasīm Allāh* (the Morning Breeze of God);[60] his claim of being a lover has got witness; he is seen as innocent, known to be guiltless; still, of necessity to be executed all the same! The heart of the lover is the big pavilion, therein the king has his bed-chamber, where not everyone can enter. Understood who understood.

To brother ʿAbd al-Nabī: The Qalandar is the *Alif*[61] of Allāh; he is not in the captivity of "*mā siwā Allāh*" (other than God);[62] goal of his

aspiration is from *illā Allāh* (but God); "*Muhammadur rasūl Allāh*" (Muhammad is His Messenger) is his refuge and his support; since he who is alive through the union with the Spirit is really alive.[13]

<u>To brother Ghulām Muḥyi al-Dīn:</u> The Qalandars are the intimate friends of God,[14] they do not concern themselves with the people of the world; refrain from expressing (the secrets) in public; he is a confidant of the secrets of the outwardly manifest (*ẓāhir*) and the inwardly hidden (*bāṭin*);[15] he has established himself on the *amr* and *nahy*;[16] and for this reason is worthy of paying a visit; God-worship is very difficult; nor transcending oneself is an easy task; this talk is a sherbet for every sick person; if thou can figure it out it is of great benefit; refuge is sought from the folk of the religious leaders (*mashāykh*) and he is fed up of the doings of the ascetic who, with all his greatness, is still a captive of the richness of the beard and the turban. Understood who understood.

<u>To brother Farrukh Baig:</u> The heart-spread is the harvest or the place of achieving for the person who is occupied with the invocation (*dhikr*) of *lā ilāha illā Allāh* (there is no god but God); "*Muhammadur rasūl Allāh*" [17]is the ultimate point of attainment; this statement is neither logic nor Principles of Jurisprudence;[18] knowledge of the knowledgeable is ignorance here; is worthy of this level of acceptance and rejection; neither are these riches granted to every accepted person; so that you should not think that this narrative is from the mouth of some non-serious, frivolous folk. Understood who understood.

<u>To brother Ghulām Muḥyi al-Dīn:</u> The lover has fallen in love with the Beloved; from all eternity[19] he is yearning for the vision;[20] what cares he for profit or loss; his tongue is always moist with the talk of love; the pain of the lover is not expressed in words; the cure and remedy of the lover is extremely difficult; black moles, pretty cheeks and locks of hair are in abundance;[21] eyes and eye-brows are in the market; mass of lips and teeth are there; chin and forehead and stature and torso is required; so he who is alert would find what is needed; gathering this separation and binding it together is the job of the one who brings everything into articulated expressions / formulations. Understood who understood.

<u>To brother Shukr Allāh Bukhārī:</u> The Spirit and the (human) spirit is not separate;[22] Human is not the Divine; Vassal is not the Lord; Seeing oneself is not permissible; Seeing Aḥmad is not a mistake; squint-eyed has no cure; the manifest and the hidden is nothing but Muṣṭafā;[23] blind cannot draw benefit from tūtiyā;[24] as he has said, "I am Aḥmad and there is no *mīm*"[25], however this sound is not for the ears of every destitute;[26] Understood who understood.

<u>To brother Muḥammad Taqī:</u> There is a lot of eating and drinking; however, the power of sustenance of every animal is from leaf and twig; not of the human who is looking forward to meeting the Friend; Pulāw[27] of six hues is ready; Muzaʿfar[28]and meet in gravy, and loaves of bread with

spices and pickle is there; thin bread and bread cakes and chicken kebab[79] and rich, juicy meat is ready. However, it would be an anathema for the soul of a lover to be attracted towards these delicacies. Understood who understood.

To brother ʿAbd al-Nabī: O brother become loath to the affairs of the world; abandon this carrion; beware of the guiles of the Enemy; be always in *istighfār;*[80] be on your guard till the end of your days; be inclined to the meeting (with Him); be the least harmful in the domain of existence; more than anything, be awake in this city; if you are a man, be of long-suffering and patience; be a friend of the folk of God; like the exalted Qalandar be with the One who has taken away your heart; be steadfast in the claims of your love for him. Understood who understood.

To brother Shaykh Jamāl: He is himself the Beautiful (*Jamīl*) and Beauty (*Jamāl*); gazing at the beauty of the beloved is the real union; seeing oneself as right, correct and graceful, elegant, that is decadence; He has no peer in the domain[81] of qualities; in the uninhabited wilderness of companionship he has no flight and no place; "*Allahu Jamīlun wa yuhibbu al-jamāl*" (God is beautiful and He loves beauty);[82] seeing oneself as oneself, that is imagination (*kyayāl*); is the knower of this secret of Bilāl[83] and Salmān[84] (the Persian); the face of the beloved has no black moles and down on the cheeks;[85] at this point there is no room for expressing opinions;[86] every state (*ḥāl*) is their function and state. Understood who understood.

To my brother Shāh Niʿmatullāh: A person who is not entrusted with secrets has no passage in this alleyway; no unworthy person is admitted as a servant of the king; with perpetual *dhikr* (invocation, *japa*), with perfect, integral *fikr* (meditation);[87] the claim of being a lover is thus not supported by that witness; no one except the lover is blackened faced;[88] seeker of this world would find no respect in this high pedestal;[89] the lover has no eye for the glory and splendour of this world; world is lesser than a dry leaf of grass in the eyes of the lover; the lover has no inclination to find the treasure-trove; the heart of the lover cannot spare a moment that is without sigh and lament; the exalted Qalandar has no need of the water well and the mosque;[90] he has no concern for the pleasures and bliss of the Garden or the torments of Fire; Understood who understood.

To brother Shaykh Ghulām Muḥyi al-Dīn: The seeker of his Lord is free of all cares; it is because God looks after his needs and is his sufficiency; his foot hits neither the high or the low; the lover is himself lofty and elevated; this tale is from far away, from the distances; so that you do not consider this just a manner of speaking, metaphorical; the lover is an eagle who soars high; privy to the secrets of the solitary bedchamber of the beloved; so that he is always with a burning desire and a rhythm; he is melting from his head to his spirit; that thou should not think that the lover is without *namāz* (ritual worship); Understood who understood.

To brother Ghulām Muḥyi al-Dīn: the lover is the man of stability; perpetually steeped in the vision of the beloved;[۹۱] cares nothing for the scholars robe and the turban; does not concern himself with prayer and fasting; he is loath to the abode in the Garden and the shade of Ṭūbā;[۹۲] that you do not think that the lover is like a mad man, though very alert for his own undertaking. Understood who understood.

***

رقعات سرمد[اردو]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادرم محمد رحیم کے لیے: یوں ہے کہ رحیم و کریم، قہّار وجبّار، ستّار وغفّار اسمائے صفاتی ہیں، صرف اللہ اسمِ ذات ہے۔ اے عزیز! صفاتِ خداوندی ذات سے ہیں، سو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؛ عاشق کے لیے ہر دن عید اور ہر رات شب برات ہے؛ کہ وہی تو دائم در ملاقات ہے؛ نہ اس کے لیے بندِ حیات ہے نہ قیدِ ممات ہے۔ کہتے ہیں کہ اناللہ وانا الیہ راجعون از قبیلِ اشارات ہے؛ والسلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین در التحیات ہے؛ تا کہ ہر خاص و عام جان لے کہ دوست کو دوست سے التفات ہے۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا؛ عقل و نفس رام ہوئے، مقصود تمام ہوا۔

* * *

مردِ مصلّی نماز گذار کے لیے: اے عربدہ باز کب تک یہ جھگڑا بازی! نماز اور مصلّے کا کیا کھیل بنا رکھا ہے؟ فقیروں سے یہ دھوکے بازی مت کر؛ کھیل، کھلواڑ، باپ کی داڑھی سے کھلواڑ یا کہ قلندروں کی ریش و بروت سے کھلواڑ؛ اے مردِ ملاّ، اے مرد قاضی! فقیر صحبتِ ناجنس سے کب ہوا ہے راضی؛ قلندر کے سر میں ہے بے نیازی؛ کہاں کی شاہد بازی؛ نہ طالبِ زر نہ انسان کی صورت میں بارِ خر؛ نہ عربی گھوڑوں کا شوق نہ ترکی گھوڑوں کا؛ نہ کھیل سے میلان؛ نہ مائلِ حال ہے، نہ مستقبل کا طلب گار، نہ ماضی کی یاد میں ڈوبا ہوا؛ قلندرِ والا مقام کا یہی طور طریقہ ہے اے مردِ نمازی!

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

* * *

اے خود نما! یہ دکھاوا کب تلک؟ اور اے بادپیما، یہ کارِ بے مصرف کب تلک؟ اے غیر آشنا، عاشقانِ شیدائی سے کس آشنائی کی بات کر رہا ہے؛ اگر پلے کچھ ہے تو لا، دکھا، ورنہ یہ کیا خود نمائی کیے جا رہا ہے؛ تو حلوائی کی دوکان پر مکھی کی طرح ہے؛ قلندرِ والا مقام کو کلچا کیا اور نان خطائی کیا؛ اے عاشق ہر جائی، تو کہاں اور انسان ہونا کہاں؛ ہماری آنکھیں لگی ہوئی ہیں کہ تو کیا دکھائے گا؛ ہم ہمہ گوش ہیں کہ تو کیا فرمائے گا؛ دکھاؤ وہی جو دیکھا ہو، اسے دیکھنا کہیں گے؛ کہو وہی جو سنا ہو، اسے شنوائی کہا جائے گا؛ اگر مرد ہو تو مردی آزماؤ ورنہ طائفۂ مرداں میں رسوا ہو کر رہ جاؤ گے، اے مردِ دہقان۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

* * *

برادرم نعمت اللہ شاہ کے لیے: بات یوں ہے کہ بحرِ وحدت ایسا گہرا ہے کہ دونوں جہان اس میں ڈوبے ہوئے ہیں؛ اس سمندر کے پیراک کا رفیق کون! وہ جو خود حقیقتاً مُوَحّد ہو؛ پس اے عزیز مُوَحّد وہ ہے جو نہ شاہد جانے نہ مشہود؛ نہ مقصد جانے نہ مقصود؛ نہ رکوع کرنے والے کو جانے نہ مرکوع کو؛ نہ سجدہ گذار جانے نہ مسجود؛ نہ خود کو جانے، نہ جانے موجود؛ نہ بندہ جانے نہ معبود؛ خود ہی شاہد خود ہی مشہود؛ خود مقصد، خود مقصود؛ خود عابد، خود معبود؛ خود راکع، خود مرکوع؛ خود ساجد، خود مسجود؛ خود ہی خود اور خود موجود؛ خود عدد اور خود معدود؛ رفیع قلندر کا یہی طریق ہے۔ بیان میں آکر بات بکھر جاتی ہے؛ اگر یہ نکتہ پالیا تو تم ہم میں سے ہوئے وگرہنوز مقامِ تحقیق سے دور۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

* * *

برادرم عبد النبی کے لیے: دیکھیے، کہنا سننا انسان کا کام ہے؛ جو مَن عرَفَ اللہُ کَلَّ لِسانَہ [جسے اللہ نے گیان دیا اس کی زبان بندی ہوگئی][93] کا راز دار ہوا، وہ اس (عام) انسانی مرتبے کے آگے نکل گیا۔ مردانِ اہل کی یہی نشانی ہے کہ نہ کہ بے نشان کے آثارِ صورت؛ کان کے لعل کی طرح یہی خوب ترین ہے؛ نفسِ حریص کے لیے سرگرداں نہیں؛ مائل بر ہریسہ وروغنی نان نہیں؛ طالبِ قلیہ اور زیر بریاں[94] نہیں؛ شوقینِ کبابِ مرغ اور گوشتِ حلوان نہیں؛ مکھی کی طرح اردگردِ دسترخوان نہیں؛ بن مانگے ملے جو اس کی خواہش ہے؛ قلندرِ والا مقام کی مردوں کی طرح یونہی گذران ہے۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

* * *

بندگی شاہ باقی کے لیے: جان لیجیے کہ فقیر وہ ہے جس نے خود کو خود سے چھڑا لیا، نہ وہ جس نے جبّہ ودستار سجا لیا، یا گندم وجو اگا لیا، یا مسجد اور کنواں بنا لیا؛ اے برادر، فقیر وہ ہے جس نے قمار خانۂ عشق میں نقدِ جان کو داؤ پر لگا دیا؛ نہ کہ وہ جس نے سلطان ووزیر کے در پر خود کو گرا دیا! کہا گیا ہے نا کہ ہم تو شاہ وگدا دونوں سے آزاد ہیں، بحمد اللہ۔ وہ جو خاکِ کوچۂ یار ہے، ہمارا بادشاہ ہے۔

* * *

برادرم شیخ نظر باز کے لیے: کسی سے دل نہ لگائیے کہ اس دنیا میں کوئی ہے ہی نہیں؛ اے مردِ بے کس، اللہُ بس، یا رسول اللہ ہوس؛ عاشق کی ہمت ہے اور بس؛ آگے پیچھے دیکھنا کب تلک! یہ گھنٹی کی طرح سانس کھینچنا کب تلک! اے پرندے، اس پنجرے میں چین سے بیٹھ؛ یونہی بے کار پر نہ پھڑ پھڑا! کہا گیا ہے کہ:

اے مرغِ گرفتار مرنے پر راضی ہو جا کہ محبت کے جال سے اب تیری رہائی نہیں ہونے کی

پھول خواہ گھاس پھونس میں جا گرا ہو، پروانے کا منصب مکھی کو تو نہیں دیا جا سکتا:

اے صاحبِ حسن، وفا کیش ہو جا — کہ اس حسن نے کسی سے وفا نہیں کی

تندرستی کی زکوۃ نکال — اورٹوٹے ہوئے دلوں کی فریاد سن!

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

* * *

عبد الرزاق کے نام: اے رزاقِ مطلق! دانا اور احمق کو یکساں روزی دینے والے؛ رفیع قلندر کو کب تلک مغرب سے مشرق تک سرگرداں رکھیے گا؛ حق یہ ہے کہ قبر کنارے تک مسافتِ دنیا بس دم بھر کی ہے؛ جو نصیب میں ہو گا، مل جائے گا، یہ معلق ہے؛ پس خود کو کاہے کے لیے اس بھاگ دوڑ میں ڈال رہا ہے، کبھی اسپِ سفید اور کبھی چتکبرے گھوڑے پر؛ تجھے تو مطلقاً بات ہی نہیں کرنا چاہیے؛ خبرِ صادق (قرآن) میں آیا اور یہی حق ہے کہ لا یُسئَلُ عما یَفْعَلُ... [۹۵] (اس سے اس کے کیے کے بارے نہیں پوچھا جا سکتا مگر وہ سب جواب دہ ہوں گے)؛ پس مدرسہ و خانقاہ میں یہ سبق خوانی کب تلک! اگر مرد ہے تو طالبِ حق بن، اِدھر اُدھر، ناحق آنا جانا مت کر۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

* * *

برادرم عبد النبی کے لیے: اے برادر، فقیر بے احتیاج ہے؛ صاحبِ تخت و تاج ہے؛ ہزار عالم کا اسے روزانہ خراج ہے؛ نہ قلندر اِس کا، اُس کا محتاج ہے اور نہ بیماروں کی طرح درپۓ علاج ہے۔ ہمارے بھائی کو سمجھ لینا چاہیے کہ اسے دردِ لا دوا ملا ہے، وہ بے علاج ہے۔ جیسا کہ حافظِ شیرازی نے فرمایا تھا: مجھے دیکھ کر طبیب حسرت سے بول اٹھا/ افسوس کہ تیرا مرض قانونِ شفاء سے باہر ہے

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

* * *

بندگی سید نظام الدین کے لیے: ہر چند دنیا شہر رنگین ہے لیکن شہر میں وہ آشیاں بندی نہیں کرتے جو شاہ باز و شاہین ہیں؛ کہ ان کی پرواز بیرون از آسمان و زمین ہے؛ منصورِ حلاج کے ساتھ دار پر والا نشین ہیں؛ قلندرِ بلند مقام فارغ از دنیا و دین ہے؛ یہی الا اللہ ہے؛ محمد رسول اللہ ایمان و یقین اور ابتداء چناں و چنیں ہے؛ ''میں ہی لیلیٰ، لیلیٰ'' تو متبدیوں کی بات ہے اور انا الحق منتہی کا حال ہے؛ یہ ہے ابتداء اور انتہا؛ ازیں بیش کچھ نہیں۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

* * *

طالبِ خدا کے لیے: طلب واردات میں خود تیرا وجود تیرا حجاب ہے؛ ہر حال میں، مہجوری اور عین وصال میں، اپنے حال میں خود سے گذر جا؛ تبھی اس صاحبِ جمال کا روئے بے نقاب دیکھ سکے گا اور خود کو خود سے دیکھ پائے گا، لا مثال۔ جیسا کہ کہا گیا:

جو کچھ بھی بہ نظر تحقیق دیکھوں — غیر کے ساتھ کہاں جگہ پاؤں!
جب یہ یقین آگیا کہ میرے سوا کچھ نہیں — تو بے خود ہوا اور اپنے ساتھ ہو لیا!

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

***

یارِ عزیز کے لیے: جانیے کہ قلندر بادشاہ ہے؛ صاحبِ تخت و تاج و کلاہ ہے؛ با حشمت و جاہ ہے اور صاحب لشکر و سپاہ ہے؛ خسرو کا تخت اور کلاہِ قباد اس کی نگاہ میں پرِ کاہ ہے؛ اس کے لیے ہر صبح نالہ و آہ ہے؛ نہ ہر کس و ناکس کو اس سے رسم و راہ ہے؛ وہ بندۂ درگاہ ہے اور غلامِ دولت خواہ ہے؛ محمد رسول اللہ اس کا تکیہ و پناہ ہے؛ راہِ وفا میں خاک ہے اور راکھ ہے؛ اس کا ذکر دائم قل ہو اللہ ہے؛ سر میں لا الہ الا اللہ ہے؛ مقصود محمد رسول اللہ ہے؛ محرمِ نسیمِ الٰہی ہے؛ اس کے دعویٰ محبت پر گواہی ہے؛ جانتے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ بے گناہ ہے؛ پھر بھی خواہی نہ خواہی واجب القتل ہی ٹھہرایا جائے گا؛ عاشق کا دل وہ وسیع خیمہ گاہ ہے جس میں بادشاہ کی خواب گاہ ہے؛ ہر خاص و عام یہاں پڑاؤ نہیں کر سکتا۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

***

برادرم عبدالنبی کے لیے: جانیے کہ قلندر اللہ کا الف ہے؛ وہ ماسوی اللہ کا اسیر نہیں ہے؛ غرض الا اللہ سے ہے؛ اس کا پشتی بان اور پناہ محمد رسول اللہ ہے؛ کہ وہ وصلِ جانِ جاناں سے زندہ ہے۔

***

برادرم غلام محی الدین کے لیے: قلندر لوگ خدا کے یارِ غار ہیں؛ دنیا کے لوگوں سے انھیں کیا سروکار؛ خلق سے بھاگتے، ان کے سامنے اظہار سے گریزاں ہیں؛ ظاہر اور باطن دونوں میں محرمِ اسرار ہیں؛ امر و نہی پر استوار ہیں؛ اسی لیے لائقِ دیدار ہیں؛ خدا پرستی بہت دشوار ہے؛ خود سے گذر جانا کوئی آسان کام نہیں؛ یہ باتیں ہر بیمار کے لیے شربت ہیں؛ اگر تم نے پالیا تو منفعت بے شمار ہے؛ قولِ مشائخ سے استغفار؛ کارِ زاہداں سے بیزار؛ کہ بہ ایں بزرگی ڈاڑھی اور دستار میں گرفتار!

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

* * *

برادرم فرخ بیگ کے لیے: بساطِ دل اس کے لیے محصول (مقامِ حاصلات) جو لا الہ الا اللہ کے ذکر میں مشغول ہے؛ محمد رسول اللہ موصول (جہاں پہنچے گا) ہے؛ یہ حکایت نہ منطق نہ علمِ اصول؛ عالموں کا علم اس میں مجہول؛ اس مرتبہ ردّو قبول کے لائق ہے؛ یہ دولت مقبولان میں سے ہر ایک کو نہیں ملتی؛ کہیں یہ نہ سمجھنا کہ یہ باتیں بے کار کے لوگوں کی سخن سازی ہے۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

* * *

برادرم شکر اللہ بخاری کے لیے: جان (آتما) اور جانِ جاناں (پرم آتما) الگ الگ نہیں؛ بندہ خود خدا نہیں؛ خود کو دیکھنا روا نہیں؛ احمد کو دیکھنا خطا نہیں؛ بھینگی آنکھ کی دوا نہیں؛ ظاہر و باطن جز مصطفی نہیں؛ اندھے کو توتیا کا فائدہ نہیں؛ چناں چہ فرمایا انا احمدِ بلا میم (میں بے میم کا احمد ہوں)؛ تاہم یہ صدا ہر بے سروپا شخص کے کانوں کے لیے نہیں۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

* * *

برادرم محمد تقی کے لیے: کھانا پینا تو بہت ہے مگر حیوان کا جس کی غذا گھاس پھونس ہے نہ کہ انسان جو لقائے یار کا اشتیاق رکھتا ہے؛ چھے رنگ کا پلاؤ تیار ہے؛ منر عفر اور قلیہ و نان بامسالہ و اچار ہے؛ نان، چپاتی، مرغ کے کباب اور حلوان گوشت رکھا ہے؛ لیکن عاشق کے جی کا ان پر مائل ہونا باعثِ عار ہے۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

* * *

برادرم عبد النبی کے لیے: اے بھائی، دنیا کے لین دین سے ہاتھ اٹھا؛ اس مردار کو چھوڑ؛ دعوے کرنے والوں سے ہوشیار رہ؛ ہمیشہ در استغفار رہ؛ قبر کنارے تک چوکس رہو؛ مائل دیدار رہو؛ عالمِ وجود میں کم آزار رہو؛ بس اس شہر میں جاگتے رہنا؛ اگر مرد ہے تو بردبار بن؛ اللہ والوں کا دوست بن؛ قلندرِ والا مقام کی طرح دل دار کے ساتھ رہ؛ محبت کے دعوے میں استوار رہ۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

* * *

برادرم شیخ جمال کے لیے: (اللہ) خود جمیل اور خود جمال ہے؛ جمالِ جاناں کی دید، عینِ وصال ہے؛ (خود کو) درست اور اچھا جاننا عینِ زوال ہے؛ خوبیوں کے ذخیرے میں بے مثال؛ بیابانِ محبت میں بے پر و بال ہے؛ اللہ جمیل

ویحب الجمال ہے؛ خود کو خود دیکھنا، یہ خیال ہے؛ حضرت سلمان وبلال کے اس راز کا بھیدی ہے؛ روئے جاناں بے خط وخال ہے؛ اس مقام کے بارے میں قیل و قال کی کیا گنجائش ہے؛ ہر حال ان کا منصب ہے۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

* * *

برادرم شاہ نعمت اللہ کے لیے: اس کوچے میں نامحرم کا گذر نہیں؛ ہر کوئی شاہی خدمت کے لائق نہیں ہوتا؛ دائمی ذکر اور فکرِ تمام کے ساتھ؛ اس کے دعویٰ عشق کا کوئی گواہ نہیں؛ عاشق کے سوا کوئی روسیاہ نہیں؛ دنیا کے طالب کو اس درگاہ میں حرمت نہیں ملتی؛ دنیا کی شان وشوکت پر عاشق کی نگاہ نہیں؛ عاشق کی نظر میں یہ دنیا گھاس کی پتی سے بھی کم ہے؛ عاشق خزانے اور دفینے پر مائل نہیں؛ اس کا دل آہ ونالہ سے فارغ نہیں؛ رفیع قلندر کو مسجد اور کنویں کی حاجت نہیں؛ بہشت کے عیش اور عذابِ دوزخ کی اسے پرواہ نہیں۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

* * *

عاشق صاحب قرار ہے؛ ہمیشہ نظارۂ دل دار میں غرق ہے؛ جُبّہ و ستار سے فارغ ہے؛ نماز، روزے سے کیا سروکار ہے؛ اسے جنت کے نشیمن اور سایۂ طوبیٰ سے عار ہے؛ کہ یہ نہ سمجھ لینا کہ دیوانہ بہ کارِ خویش ہشیار ہے۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

* * *

برادرم شیخ غلام محی الدین کے لیے: طالبِ مولیٰ بے نیاز ہے؛ اس سبب سے کہ خدا کارساز ہے؛ نہ پاؤں بر نشیب وفراز ہے؛ عاشق تو خود سرفراز ہے؛ یہ حکایت از دور و دراز ہے؛ کہ تم کہیں یہ نہ سوچو کہ یہ مجاز کی بات ہے؛ عاشق اونچا اڑنے والا شاہ باز ہے؛ محبوب کی خلوت کا محرمِ راز ہے؛ از بسکہ ہمیشہ سوز وساز والا ہوتا ہے؛ عقل سے روح تک پگھل چکا ہے؛ کہ تو یہ نہ سمجھے کہ عاشق بے نماز ہے۔

جس نے بوجھا اس، نے جانا۔

حوالہ جات و حواشی:

۱۔ Ataullah, *Iqbāl Nāmah*, Sh. M. Ashraf, Lahore, 1946, Vol. I. p. 78. Revised one volume edition, Iqbal Academy Pakistan, Lahore, 2007, p. 112.

عطاءاللہ، اقبال نامہ، اقبال اکادمی، ۲۰۰۷ء، ص، ۱۱۲۔

"اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ تصوفِ وجودی سرزمین اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے جس نے عجمیوں کی دماغی آب وہوا میں پرورش پائی ہے۔"

۲۔ ر۔ک: شیر خان لودھی، مرأة الخیال، بمبئی، ۱۳۲۴ھ؛ علی قلی والاداغستانی، [م۔ ۱۱۸۴ھ]، ریاض الشعراء نسخہ خطی، پنجاب یونی ورسٹی لائبریری، شمارہ PF-I-17، مرقومہ ۱۱۹۳ھ؛ لطف علی خان بیگ آذر، آتشکدۂ آذر، محمد علی علمی، ایران، ۱۳۳۷ ش۔

۳۔ ”مولانا ابوالکلام آزاد تو نثر کا آرائشی فریم صرف اپنے پسندیدہ فارسی اشعار ٹانکنے کے لیے استعمال کرتے ہیں، ان کے اشعار بے محل نہیں ہوتے، ملحقہ نثر بے محل ہوتی ہے۔ وہ اپنی نثر کا تمام تر ریشمی کوکون [کویا] اپنے گاڑھے گاڑھے لعابِ ذہن سے فارسی شعر کے گرد بنتے ہیں۔“ مشتاق احمد یوسفی، آبِ گم، دانیال، کراچی، ۱۹۹۹، ص-۲۶۔

۴۔ ابوالکلام آزاد، سرمد شہید، ادبستان، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص-۳۳۔

۵۔ ر۔ک: شیر خان لودھی، مراۃ الخیال، بمبئی، ۱۳۲۴ھ، ص-۳۲۴۔

۶۔ ر۔ک: ذوالفقار اردستانی، دبستانِ مذاہب، کانپور، ۱۳۲۱ھ؛ ہمارے پیشِ نظر جو نسخہ ہے وہ اقبال اکادمی پاکستان کو حکومتِ ایران کا تحفہ تھا اور ۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۰ء کی سنگی اشاعت کا عکسی نسخہ ہے۔

۷۔ www.elijah-interfaith.org

۸۔ The Dabistan or School of Manners, TRANSLATED FROM THE ORIGINAL PERSIAN, WITH NOTES AND ILLUSTRATIONS, by DAVID SHEA, PRINTED FOR THE ORIENTAL TRANSLATION FUND OF GREAT BRITAIN AND IRELAND, BENJAMIN DUPRAT/ ALLEN AND CO., LEADENHALL-STREET, LONDON, 1843.

۹۔ یعنی رقعاتِ سرمد شہید، جو منشی قربان علی بسمل نے اپنے شاہجہانی پریس دہلی میں 23 محرم 1345ھ میں طبع کرائے [بارِ اوّل]۔

۱۰۔ Khaliq Ahmad Nizami, The Encyclopaedia of Islam, New Edition, Vol. VII, Brill, 1993, pp. 452

۱۱۔ جس دوست نے ربّی ایلون کو دیوناگری متن تیار کر کے دیا تھا وہ شاید فارسی میں کمزور تھے؛ متن کے بہت سے مقامات سر توڑ کوشش کے باوجود گرفت میں نہیں آتے تھے!

۱۲۔ کتب خانہ علی گڑھ یونی ورسٹی، ضمیمہ فارسیہ، ۷۰ / ا۔

۱۳۔ Alon Goshen-Gottstein, "Scripture and Memory– The Jewish and Multiple Religious Identity of Sa'id Sarmad," (unpublished article).

۱۴۔ دیکھیے حاشیہ ۸۔

۱۵۔ Qur'an, 5: 44-46.

۱۶۔ چند حوالوں کا تذکرہ ہو چکا، مزید کچھ یہاں درج کیے جا رہے ہیں۔

The Rubaiyat of Sarmad, translated by Syeda Saiyidain Hameed, Indian Council for Cultural Relations, Azad Bhavan, Indraprastha Estate, New Delhi-110002,1991; Ezikiel, Sarmad the Jewish Saint of India, Punjab, India, (3rd Ed. 1988); Paul Smith, Ruba'iyat of Sarmad, Book Heaven, Victoria, Australia, 2012, ISBN 978 1479346615; M. G. Gupta, Sarmad Saint, Delhi, India, 2010, ISBN 978 8191002980.

ابوالکلام آزاد، سرمد شہید، ادبستان، لاہور، ۱۹۷۳ء۔

۱۷۔ ہندو گیانیوں کی نمائندہ عبارت کے لیے دیکھیے ضمیمہ چہارم۔

۱۸۔ یاد رہے کہ میر صاحب کی دلی میں ”درویش“ کا لفظ ملنگوں، تارکِ عبادات، نشہ باز، بہروپیوں کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

۱۹۔ جو اس زمانے کا کیا آج کا بھی کوئی ماہر صاحبِ علم تیار کر سکتا ہے۔ ہمارے احباب ہی میں سے احمد جاوید صاحب یا تحسین فراقی صاحب اس سے بہتر اور دل نشین عبارت ”تخلیق“ کر سکتے ہیں۔

۲۰۔ *Ar-Raḥmān*, the All-Merciful, expresses above all "God's Mercy towards Himself", that is, the infinite Beatitude. Unlike the Mercy of *Ar-Raḥmān*, which is merely reflected on the earthly plane, the Mercy of *Ar-Raḥmān* reaches down to earth as a rope thrown down from Heaven.

۲۱۔ This Name expresses the truth that God gives "without reckoning", both more than is deserved and more than is asked for.

۲۲۔ This form expresses the repeated action of Him who forgives over and over again. The Arabic root has the basic meaning of "covering up", "concealing".

۲۳۔ The one who "covers up" the sins and shortcomings.

۲۴۔ This denotes the day of festivity at the end of the month of Fasting (*Ramaḍān*).

۲۵۔ This refers to the mysterious night in the last ten night of the month of Fasting (*Ramaḍān*) in which every act of worship, every meritorious act, is rewarded with a reward which is incommensurably greater that the ordinary reward. The same night is known to be the night when decrees are made and everything that the created order has to receive is measured out.

۲۶۔ Literally, it means "meeting".

۲۷۔ This refers to the famous verse of the Qur'ān which was revealed in the context of Divine succor in the face of hardship and trials. The complete verse is: "Give glad tidings to the people of forbearance and patience who, when stricken with a calamity, say, 'verily we are for God and verily unto Him we return'. These are the folk upon whom descends the grace and blessings of their Lord and His Mercy and these are the ones who achieve felicity in the hereafter."

۲۸۔ *Al-Taḥiyyāt* (Greetings), also called julūs (sitting posture) in Arabic, refers to the sitting position in the Muslim ritual prayer (*ṣalāh*) which follows the prostrations and, when it occurs in the second or in the final cycle (rak'ah) of the prayer is the first repose which the body is allowed since the beginning of the *ṣalāh*. This relaxation is identified with the Peace of our finality, that Peace being the central theme of the *taḥiyyah* (greeting) which is uttered while the person remains seated. From the point of view of the mystics it symbolizes that, from now on the human plane has been transcended: the soul's supplication has been transformed into the Spirit's affirmation of Paradisal Peace. The opening of the *taḥiyyah* announces the reintegration of all the good that God had manifested of Himself for the sake of our representing Him on earth. In other words, body and soul have been reabsorbed into the Spirit on their way of return to our own Transpersonal Essence.

۲۹۔ That is, "spiritually poor", people with inner detachment and renunciation.

۳۰۔ A common Persian, Urdu expression that denotes lack of sincerity, improper comportment or behaviour, inadequacy of formal correctness and courtesy (adab).

۳۱۔ An allusion to the Qur'ānic verse which speaks of those religious scholars/leaders who "are like donkeys laden with books."

۳۲۔ An idiomatic expression indicating an exercise in futility, and when used for a person it indicates a talkative liar.

۳۳۔ *Nān i khaṭā'ī* is a delicacy, a special biscuit made of wheat flour, sugar, condiments and cooked overnight in the oven.

۳۴۔ i.e. face humiliation and embarrassment.

۳۵۔ *Maqṣad* (objective, purpose, aim).

۳۶۔ Qalandar is a title usually given to a mystic who can pierce through forms and has transcended denominations and differentiations.

In the context of Persian and Arabic Sufi writings the word "poverty" (faqr, darwīshī) is synonymous with Sufism, and a "poor man" (faqīr, darwīsh) is a Sufi. In other words, the dervish or fakir is he who has entered the spiritual path under the guidance of a Shaykh. In Rūmī's works, these two words are usually synonymous with "saint," although sometimes, especially in stories in the Mathnawī, he employs the term dervish with a view toward those who falsely claimed to be Sufis. His use of the word "Sufi" is similar, while the term "Kalander" (qalandar) usually denotes a Sufi who has achieved the highest stage of annihilation. Like the mythical Salamander, he passes in and out of fire without suffering harm: Having been annihilated by its flames, he has achieved subsistence.

Rūmī often employs the term “poverty” in a context showing that it is synonymous with “annihilation” and “nonexistence.” The dervish is he who is “poor” because he has nothing of “his own.” He is totally empty of selfhood. The true “poor man” is in truth the richest of all men, since, not existing himself, he subsists through the Self. This then is the significance of the Prophet’s saying, “Poverty is my pride.”

The word rafī’ that I have translated as “exalted” has to be checked with the Persian script. If it is correctly transcribed and it is actually the word rafī’ in Persian then it could be understood to connote two cognate meanings: in the first case it would be rendered as “this is also the very Path of an exalted Qalandar”; the other reading, keeping in view the predilection of Sarmad to hyperbole and ecstatic utterances of self-glorification, would be “and is also the Path of this exalted Qalandar.”

۳۷۔ Name of an exotic dainty dish made of mutton/bird meat mixed with cereals and spices.

۳۸۔ The crisp layer of rice underneath in the sweet and salted dishes of steamed rice, regarded as a delicacy.

۳۹۔ That is, the religious paraphernalia.

۴۰۔ That is, works of public charity.

۴۱۔ This expression, like the earlier “casino of Love” is yet another example of the use of extremely common tropes of Persian Sufi poetry which the person who “manufactured” this compendium skilfully employs. It is directly copied– like so many other expressions, figures of speech, metaphors and tropes– from the earlier Sufi masters and sages. In this case it is from Saʿdī who had quoted the famous Arabic dictum “*niʿma ʾl-amīri alā bābi ʾl-faqīr wa biʾsa ʾl-faqīri ʿalā bābi ʾl-amīr*” (the best of the rich is the one at the door of the fakir while the worst of fakirs is the one at the door of the rich!) and then versified it in his own quatrain in his Gulistān.

۴۲۔ An expression signifying extreme humility and annihilation.

۴۳۔ He uses a lot of word-play that was quite common in the ornate Persian prose of his day. This is just one example; kas: is an entity and with the prefix of bay kas it denotes one who is utterly powerless. Also the literary device of alliteration: kas, bay kas, bas, hawas, pas, nafas, jaras, qafas, abath all follow in sequence.

۴۴۔ He is playing with the root-meaning of the name of his addressee ‘Abd al-Razzāq, as both the words Rāziq and Razzāq stem from the same triliteral root r.z.q meaning providing sustenance.

۴۵۔ (Qur’ān, 21: 23). A reference to the Qur’ānic verse “He is not questioned لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون about what He has done but they shall be questioned about (their deeds)”.

۴۶۔ The actual Persian is Khānqāh i.e. A Sufi Centre.

۴۷۔ The actual Persian is mard i.e. a chivalrous person.

۴۸۔ He is playing with the double entandÈ: the literal meaning of shifā (cure) and qānūn (canon) and titles of two most important and seminal works on medicine by Ibn Sīnā.

۴۹۔ The metaphor shāhbāz was established by Rūmī for the function of prophethood (All the king’s falcons) and shāhīn, like the sīmurg, is the quasi mythical bird from the species of the large eagles. In Persian and Urdu poetic terminology, nurtured by Sufism, these metaphors stand for independence, courage, high aspirations and lofty ideals.

۵۰۔ A common expression to denote the two domains of the sacred and the profane.

۵۱۔ The second part of the first shahadah, the affirmation.

۵۲۔ The second shahadah.

۵۳۔ Laylā (lit: night) is the proverbial, symbolic name for the Beloved: The Biblical “I am black but beautiful.”

This is the reference to the famous proclamation *anā al-Ḥaq* of Maṣūr Ḥallāj, "I am the Truth." From the exoteric point of view of the *Sharī'ah*, such assertions are blasphemy and unbelief, but in the language of the esoteric path or mysticism (*Ṭarīqah*) and *Ḥaqiqah* (Reality) they are the simple truth. While making such exclamations the Sufis were making no crude claim to divinity but rather expressing a basic truth about the human condition, its rootedness in the divine and the negation of their own separate existence which, in ontological terms is a denial of its being a self-contained, self-sufficient, autonomous reality. ۵۴۔
The Islamic perspective affirms continually the Transcendence of God and also His Immediate Presence, as do the sacred books of all orthodox religion; but because the Islamic mystical theology, and in the present case mystical poetry, tends to dwell especially upon His Immediate Presence, as expressed in this proclamation, it has been concluded by some that it is a pantheistic perspective. This conclusion is totally false: as has been said in defense of the Red Indian against the same accusation of pantheism, it may also be said of the Sufi that "he does not for one moment imagine that God is in the world; but he knows that the world is mysteriously plunged in God." (See, Frithjof Schuon, "Apercus sur la Tradition des Indiens de l' Amerique du Nord", Etudes Traditionnelles, 1949, p. 164. See also Titus Burckhardt, Du Soufisme, P. Derain, Lyon, pp. 17-20.)

He who has reached the end of the Path. ۵۵۔

Or, literally, make my nest/abode in myself. ۵۶۔

The names of two great Persian monarchs who were the founders of dynasties. ۵۷۔

Dargāh, a metaphor for a position of great esteem. ۵۸۔

The reference is to the Qur'ān 112:1-4, that speaks of the Islamic conception of the One: "Say: He, God, is One God, the Self-Sufficient Besought of all, He begets not, nor is begotten, And there is none like unto Him." ۵۹۔

The reference is to the well-known Sufi trope of *nafas al-Raḥmān* (The Breath of the All-Merciful; the Hebrew nephesh) i.e. the "Divine Breathing Out", the creative, radiating Act of the Supreme Principle projecting it into manifestation. In Persian, especially in its poetic terminology, the same idea was expressed in myriad forms, borrowing its metaphors from the "Garden" of existence hence the cool morning breeze (nasīm) that vivifies it. The parallels in Hindu metaphysics/mythical narratives of "Breathing Out" of Brahma" would not be lost on the readers! ۶۰۔

Alif (the Hebrew elef, is the first letter of the Arabic alphabet. It is also the first letter of the Divine Name ﷲ, or the Name of the Essence. ۶۱۔

The mystery of He/not He begins in the Divine Self and extends down through every level of existence. In clarifying the manner in which God is found– in affirming the "He" in all things– Ibn al-'Arabī also affirms the Not He and explains the nature of everything that fits into that category, i.e., "everything other than God" (mā siwā Allāh), which is how Muslim thinkers define "the world" (*al-'ālam*). ۶۲۔

In the inimitable words of Rūmī (Mathnawī (Nicholson edition), book III, verse 125): ۶۳۔
There is a relation, without being able to ask how,
without being able to compare it to anything,
Between the soul of man and the Lord of the soul.

اتّصالِ بے تکیّف بے قیاس   ہست ربّ النّاس را با جانِ ناس

Or a friend in need. The actual construct is yār i ghār, the companion/friend/helper of the cave. ۶۴۔
An allusion to the journey of the migration of the Prophet from Mecca to Madīnah when the

Prophet was hiding in a cave with Abū Bakr (closest companion and his successor) to throw the enemies off his tracks. Abū Bakr, the first Muslim, his close associate, his first successor and his father in law, was his sole friend and helper during the journey.

Reference is to the Qur'ānic verse (41: 53) "He is the First (Al-Awwal) and the last (Al-Ākhir) ۶۵۔
and the Outwardly manifest (*Al-Ẓāhir*) and the Inwardly Hidden (*Al-Bāṭin*). First and foremost, the verse contains the premise that there is a level of things that transcends physical reality and this level of potentiality not only exists but is the foundation for all existence, a view which sounds very much like the doctrines from Vedanta, Christian Mystical Theology, Kabbalah, Islamic Metaphysics, the Far Eastern Doctrines, Muslim sages and mystics.

That is the acts that are prescribed by the religious law and things that are forbidden by it. ۶۶۔

That is "Muhammad is His Messenger" ۶۷۔

Two of the intellectual sciences cultivated by the philosophers and the jurists/scholars of Law. ۶۸۔

Literally, since the beginning of time ۶۹۔

Literally, asking/demanding/imploring for a glimpse of the beloved. ۷۰۔

This, and what comes in the next three sentences, remains obscure unless one keeps in mind ۷۱۔
the elaborate system of imagery, poetic diction and symbolism developed by Persian language, based on the parts of the human body, when Persian became the vehicle of wisdom poetry and language of the soul under the influence of Sufism. The basis of this symbolism was already quite developed in Arabic Sufi poetry. Persian embellished it and brought to it its particular ethnic genius. Black moles, pretty cheeks and locks of hair all refer to Divine epiphanies or else manifestation of the traces of the Divine Attributes.

See Note 43 ۷۲۔

One of the honorific names of the Prophet, meaning, "The Chosen One" ۷۳۔

A collyrium or medicine for eyes ۷۴۔

He refers to the apocryphal statement, sometimes quoted as a ḥadīth, which is of very ۷۵۔
questionable authenticity, which says "I am احمد Aḥmad and there is no mīm". The play is like this: Aḥmad is one of the names of the Prophet mentioned in the Qur'an (where Jesus is making a prophecy about his coming) meaning "the praised one, one who is praised with great praise". If you take away the mīm in احمد Aḥmad the remaining is Aḥad which means the One (God)! Insinuation is that the Prophet is a Divine manifestation. A rather crude way of describing the function of the avatar.

Literally, without head and foot ۷۶۔

A dainty dish of rice cooked with meat, usually lamb or mutton, layers of rice of various ۷۷۔
colours with spices and condiments.

A dainty sweet dish of rice or noodles cooked with saffron ۷۸۔

Chicken roast ۷۹۔

Reciting "I seek refuge in God" constantly. This is one of the standard litanies of Sufis and ۸۰۔
ordinary religious Muslims alike, similar to the Catholics and the Hysecasts asking forgiveness for ones sins.

The actual word used in "pouch", "sack" of qualities. ۸۱۔

Hence the motif of Sufi poetry *ṣāḥib jamāl* (having beauty, possessor of beauty, beautiful), a ۸۲۔
metaphor for the Divine Beloved.

The Abyssinian freed slave of Muhammad, one of the nearest Companions and lifelong ۸۳۔
member of the house hold.

۸۴۔ One of the famous Companions. Salmān had hailed from Persia. As a seeker of truth he took many a long journey and finally arrived in Madinah, following the advice of his mentor, a venerated old Christian Monk on his death bed, as a slave of a Jewish establishment. He chanced upon Muhammad one day and after observing the signs of prophethood described to him by the Monk, entered Islam. In his quest, he is said to have followed many religions earlier and was a regular man of worship (prayer) fifteen years before his encounter with Muhammad.

۸۵۔ See note 49

۸۶۔ The actual expression is "qīl o qāl" (it has been said, he said this…", an expression which, in Persian, denotes conflicting opinions, controversy, debate, argumentative discussion

۸۷۔ i.e. intellection, meditation, pondering over divine realities, dhiyāna

۸۸۔ Rū siyāh, i.e. one whose face have been charred. A metaphor for soiling ones repute and public esteem as in olden days (in some places to date) the sinner or the culprit was made to march in public, with his face smeared with something black, often on a donkey, to add insult and shame to the punishment

۸۹۔ Dargāh, a metaphor for a position of great esteem

۹۰۔ A well-known metaphor for works of "public charity"

۹۱۔ Dildār is the word used in the text; the one who is the "keeper" of his heart

۹۲۔ The paradisal tree that, according to the tradition, God himself planted in the Garden of Eden

۹۳۔ تمام اسلامی زبانوں کے عارفانہ ادب میں یہ مقولہ کسی نہ کسی شکل میں ملتا ہے: گل سمجھی تے رولا کی؟

۹۴۔ دیگ کی کھرچن، تہِ دیگ

۹۵۔ لایسئل عما یفعل وہم یسئلون، قرآن، ۲۱:۲۳

Abstract

This article presents thoroughly annotated 23 Ruq'at-e Sarmad comprising four sections: brief life account of mystic and poet Sarmad; Persian text of the Ruq'at; their English translation; and their Urdu translation. The Ruqa't are replete with a deeper mystical truth. Sarmad was an Iranian Jew, who converted to Islam. About 300 rubaiyat in Persian, belonging to Sarmad, a small number of texts in the form of ghazal, qit'a, a few she'rs of the poet and his letters were also found. Reminiscences of his contemporaries serve as the sources of information about Sarmad. Among them are the memoirs of Bernier and Manucci and anthologies — tazkira — such as Dabistān-i mazāhib, the author of which is considered to have been Sarmad's peer, Riyāz ash-shu'arā' of Waleh Daghistani also known as 'Ali Quli Khan and several others. Sarmad's name appears also in biographies, such as Mir'at al-Khayāl by Sher Khan Lodi, Majma'an-Nafā'is by Siraj ad-Din Ali Khan Arzu, Riyāz al- 'Ārifīn by Riza Quli Khan. Maulana Abul Kalam Azad found Mir'at al Khayal the most authenticated work on Sarmad. It can also be found in historical chronicles, Mir'at al-'ālam by Muhammad Bakhtawar Khan and others. Dabistān-i mazāhib and Riyāz ash-shu'arā' are the most valuable ones among the rest.

Keywords: Mystic Sarmad, Ruq'at-e Sarmad, Dabistan-e Mazahib.